بسم اللہ الرحمن الرحیم

Al Islam Message

الاسلام مشن کا ترجمان

زیر نگرانی

مولانا ارشد جمال

■ ■ ■ ■ ■

Al Islam message

Urdu quarterly literature

D.43/107-Bazar Sadanand.

Varanasi, U.P. (India) 221001

Mob: +91-9307324317

E-mail:info@alislammission.com

July to September 2011

<<<<<<>>>>>>

اللہ کی بارگاہ میں

یہ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ اپنے بڑوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے، اُنھیں خوش کرنے اور اُن کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اُن کے پاس تحفے لے کر حاضر ہوتا ہے، پھر بڑے لوگ بھی اپنے چھوٹوں کے اِس رویّے سے بے پناہ خوش ہوتے ہیں اور اُنھیں نوازتے ہیں۔

اللہ تو تمام بڑوں سے بڑا ہے اور ہم ہر چھوٹے سے چھوٹے۔ مگر کم لوگ ہیں جو اُس سب سے بڑے کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی طرح کے تحفوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو بس اتنا چاہتا ہے کہ بندہ اُس کی بارگاہ میں آنسوؤں کی تھال پر توبہ کی سوغات لے کر حاضر ہو۔ آدمی تو خطا کا پُتلا ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ ناراض نہیں ہوتا کہ وہ خطائیں کیوں کرتا ہے؟ ہاں! اُسے یہ ادا ضرور پسند آتی ہے کہ آدمی گناہ کرے تو توبہ بھی کرلیا کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ہر آدمی بہت بڑا خطا کار ہے اور سارے خطا کاروں میں بہتر وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ توبہ کرنے والا ہو''۔[ترمذی:۵۶۹/۴،مسند احمد:۵۳/۴]

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بڑے پیار سے توبہ کے لئے بلاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث ہے:

''اللہ تعالیٰ (عزّ وجلّ) رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول کرے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والے کی توبہ قبول کرے جب تک (قیامت کے قریب) سورج پچھّم سے نہ نکل آئے تب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا''۔[مسلم:۲۱۱۳/۴،مسند احمد:۵۳۷/۵]

اللہ ہم گنہگاروں کے انتظار میں ہے۔ اُسے اِس بات سے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ کوئی بندہ اُس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوا حاضر ہو جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ اپنے بندوں کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے؛ اُس آدمی سے بھی زیادہ خوش جو چٹیل میدان میں اپنا گمشدہ اونٹ پالے''۔[بخاری:۱۵۴/۴،مسلم:۱۵۴/۴]

اور جب بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے تو اُسے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ خوشخبری ملتی ہے کہ: ''گناہ سے توبہ کرنے والا اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو''۔[ابن ماجہ:۱۴۲۰/۲،المعجم الکبیر:۱۵۰/۱]

اللہ کے رسول ﷺ کی سادہ زندگی

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل بنایا تھا اور اُنھیں ہر طرح کی فضیلت بخشی تھی۔ علم و حکمت، اخلاق آداب اور کردار و عمل کی برتری کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کا خزانہ تک آپ کو بخش دیا تھا۔ خود آپ کا ارشاد ہے:

''میں سویا ہوا تھا، اتنے میں زمین کے خزانوں کی کنجیاں لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں''۔ [بخاری: ۳۵۴۳/۲، مسلم: ۳۷۱/۱-۳۷۲، مسند احمد: ۵۱۹/۲، صحیح ابن حبان: ۴۳/۶]

لیکن آپ نے کبھی اپنے عیش و آرام پر اُس خزانے کو خرچ نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ سادہ زندگی گذر بسر کی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کا بیان ہے کہ: ''عمر بن خطاب نبی ﷺ کے پاس آئے اُس وقت آپ چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، جس سے آپ کے پہلو میں نشان پڑ گئے تھے۔ اُنھوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ اِس سے نرم اور ملائم بستر بنا لیتے! (تو بہتر تھا۔) آپ نے فرمایا: اے عمر! مجھے دنیا سے کیا لینا، مجھے دنیا سے کیا لینا؟! اُس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا اور دنیا کا معاملہ اُس سوار کی طرح ہے جس نے گرمی کے موسم میں سفر کیا، پھر دن میں تھوڑی دیر کے لئے کسی درخت کے سائے میں آرام کیا، پھر اُسے چھوڑ کر چل دیا''۔ [صحیح ابن حبان: ۷۰/۶]

رسول اللہ ﷺ کی سادہ زندگی اور بے نیازی کا عالم یہ تھا کہ اکثر آپ کے گھر میں کھانے پینے کا بھی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

''اللہ کے رسول ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جو کھجور کی چھالوں سے بھرا ہوا تھا۔ مہینہ گذر جاتا، ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی۔ دو کالی چیزیں: کھجور اور پانی پر گذارہ کر لیتے۔ یہاں تک کہ ہمارے پڑوسی اپنی زیادہ دودھ دینے والی بکری ہمارے پاس بھیج دیتے''۔ [صحیح ابن حبان: ۴۳/۶]

جو انسان دونوں جہان کی نعمتیں لٹا رہا تھا، جب وہ اِس دنیا سے رخصت ہوا تو اُس کا گھر خالی تھا۔ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا: ''تم پر افسوس! کیا تم رسول اللہ ﷺ کی میراث کے بارے میں پوچھتے ہو؟ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے میراث میں (کچھ بھی) نہ چھوڑا، نہ درہم نہ دینار، نہ غلام نہ باندی، نہ بکری اور نہ اونٹ''۔ [صحیح ابن حبان: ۷۵/۶] اللہ کے رسول ﷺ کی سادہ زندگی مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ تھی کہ وہ دنیا کے لئے نہیں آخرت کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اُنھیں دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔

اسلام میں محنت مزدوری کا مزاج

اسلام دنیا کو کاہلی، بے عملی اور مفت خوری کی لعنت سے چھڑاتا ہے۔ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے منع کرتا ہے اور محنت مزدوری کی روٹی کھانے پر زور دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''بے شک سب سے زیادہ پاک روزی وہ ہے جو آدمی نے کما کر کھائی ہے اور بیشک اُس کی اولاد اُس کی کمائی ہے''۔[ابن ماجہ:۲/۲۳۲۷]

خود رسول اللہ نے بھکاریوں کو بھیک مانگنے سے روکا اور اُنھیں کما کر کھانے کا حکم دیا، بلکہ آپ نے اُن کے لئے کھانے کمانے کا راستہ بھی نکالا، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''ایک انصاری مرد نے نبی ﷺ کے پاس آ کر بھیک مانگا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تمھارے گھر میں کچھ ہے''؟ اُس نے کہا: کیوں نہیں! ایک چادر ہے، آدھی اوڑھتے ہیں اور آدھی بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''دونوں سامان لے کر میرے پاس آؤ''! وہ دونوں سامان لے کر آپ کے پاس آتا ہے۔ آپ اُنھیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرماتے ہیں: ''اِن دونوں سامانوں کو کون خریدے گا''؟ ایک آدمی نے کہا: میں اُنھیں ایک دِرھم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: ''ایک دِرھم سے زیادہ کون دے گا''؟ دوسرے آدمی نے کہا: میں دو دِرھم میں اُنھیں خریدتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے دونوں سامان دو دِرھم میں اُس آدمی کے ہاتھ بیچ دیئے۔ آپ نے دونوں دِرھم لئے اور اُس آدمی کو دے کر کہا: ''ایک دِرھم سے کھانا خریدو اور اپنے بال بچوں کے پاس لے کر جاؤ اور دوسرے دِرھم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ''! چنانچہ وہ کلہاڑی خرید کر آپ کے پاس پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اُس میں دستہ ٹھونک کر لگایا، پھر اُس سے کہا: ''جاؤ، لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بیچو اور پندرہ دنوں تک ہرگز نظر نہ آنا''! وہ شخص چلا گیا، لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بیچتا رہا، پھر لوٹ کر آیا تو دس دِرھم کما کر لایا۔ اُس نے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا کھانا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تمھارے لئے اُس بھیک سے بہتر ہے جو قیامت کے دن تمھارے چہرے کا داغ ہوتا، بے شک بھیک یا تو سخت مفلسی میں جائز ہے یا کسی بڑی تباہی میں یا جان بچانے والے خوں بہا کی ادائیگی کے لئے''۔[ابوداؤد:۲/۱۲۰، ابن ماجہ:۲/۷۴۰]

اِس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ مزاج دیا کہ جہاں تک ہو سکے محنت مزدوری کی ہی روٹی کھانی چاہئے۔ یوں ہی مانگتے پھرنا اور بیٹھ کر مفت کی روٹی توڑنا گناہ ہے۔

اللہ کے محبوب بندے

ہر ایمان والے کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ کا محبوب بندہ بن جائے، لیکن یہ بات محض خواہش سے پوری نہیں ہوسکتی، بلکہ اِس کے لئے کچھ ایسا کرنا ہوگا جس سے اللہ کی محبت حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہوں پر اُن باتوں کی نشاندہی کی ہے جن سے ایک مومن، اللہ کا محبوب بندہ ہوسکتا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾[توبہ:۴،۷]

(بے شک اللہ تقویٰ والوں کو محبوب رکھتا ہے۔)

گویا اللہ کی محبت وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جس کے دل میں تقویٰ کی روشنی موجود ہو۔ اصل تقویٰ یہ ہے کہ مسلمان حرام سے بچے۔ مثلاً جھوٹ، غیبت، چوری، زنا وغیرہ کاموں سے بچنے والا تقویٰ کے راستے پر چلنے والا ہے۔ یوں ہی نماز روزہ وغیرہ فرض کاموں کو چھوڑنا حرام ہے حرام سے بچنا اور فرض کو ادا کرنا تقویٰ ہے۔

قرآن میں دوسری جگہ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾[آل عمران:۱۵۹]

(بے شک اللہ توکّل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔)

یعنی اللہ کی محبت وہی پاسکتا ہے جو اللہ پر توکل کرنے والا ہوگا۔

توکل کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کرے، پھر اُس کئے ہوئے کام کو اللہ کے سپرد کردے کہ وہ چاہے گا تو پورا ہوگا، کوئی اُس کو پورا ہونے سے روک نہیں سکتا۔ نہ چاہے گا تو کیا ہوا کام بگڑ جائے گا، اُسے کسی ذریعے سے بنایا نہیں جاسکتا۔

قرآن میں تیسری جگہ ہے:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[آل عمران:۱۳۴]

(اور اللہ بھلائی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔)

یعنی جس کے دل میں بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ ہوگا، اللہ کی محبت کو پاسکتا ہے اور جس کا مزاج برائی اور بدسلوکی کرنے والا ہوگا، وہ کبھی اللہ کا محبوب نہیں ہوسکتا۔

چوتھی جگہ ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ ﴾[آل عمران:۱۴۶]

(اوراللہ صبر کرنے والوں کومحبوب رکھتا ہے۔)

مصیبتوں ،اذیتوں اورناپسندیدہ چیزوں پر خاموش رہ جانااور دل ودماغ پر قابورکھنا صبر ہے۔ایسی حالتوں میں اللہ سےتوبہ واستغفار کیاجاتا ہے نہ کہ شکوۂ وشکایت اور ہائے وائے۔

پانچویں جگہ ہے:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾[توبہ:۱۰۸]

(اوراللہ صاف ستھرا رہنے والوں کومحبوب رکھتا ہے۔)

صاف ستھرے لوگوں کوتوعام انسان پسند کرتے ہیں۔پھراللہ کیوں نہیں پسند فرمائے گا؟!صفائی ستھرائی دوطرح کی ہوتی ہے:ایک بدن کی،دوسری دل کی۔بدن اور دل دونوں کو صاف ستھرا رکھنے والے اللہ کےمحبوب بنتے ہیں۔جن کے بدن پرمیل اور دل میں گندگی ہوگی وہ اللہ کی محبت کے راستے سے بہت دور جاپڑیں گے۔

چھٹی جگہ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾[آل عمران:۳۱]

اے نبی ﷺ! کہہ دو!اگرتم اللہ سےمحبت رکھتے ہوتو میری پیروی کرو،تب اللہ تم سے محبت رکھے گا۔

یہ سوکی سیدھی ایک بات ہے کہ تمام باتوں میں اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کرنے والا ہی اللہ کامحبوب ہوسکتا ہے۔آپ کی پیروی چھوڑکر انسان جس راستے پر چلے گا،اللہ کی نفرت اور ناراضی مول لے گا۔رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان تقویٰ کے راستے پر چلے،توکّل کامزاج بنائے،بھلائی اورخیرخواہی کاجذبہ پیدا کرے،مصیبتوں اوراذیتوں کے ماحول میں صبر سے کام لے،اپنے بدن اوراپنے دل ودماغ کوخوب صاف ستھرا رکھے؛یہی راستہ محبت الٰہی کا راستہ ہے۔جو اِس راستے سے بہک کر اِدھراُدھر جائے گا،وہ کچھ بھی ہوسکتا ہے مگر اللہ کامحبوب نہیں۔

عبادت اور مصروفیت

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ آج کا انسان بے حد مصروف اور قسم قسم کی ضرورتوں سے دو چار ہے۔ پھر بھی اگر کوئی مجبوری آڑے نہ ہو تو وہ ایک ایک کام کو اچھی طرح نبٹانے کی کوششوں میں رہتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ کام تو وہ بڑی تندہی سے کر جاتا ہے اور کچھ کام یوں ہی پڑا رہ جاتا ہے۔ اصل میں یہ انسان کے مزاج اور اُس کی دلچسپی کی بات ہوتی ہے۔ جو کام اُس کی نظر میں اہم اور دلچسپ ہوتا ہے، اُسے پہلے کر ڈالتا ہے اور جو غیر اہم اور غیر دلچسپ ہوتا ہے، اُس سے آنکھیں موند لیتا ہے۔ کیا کیا، نہیں تو جانے دیا۔

ایک مسلمان کی زندگی میں جہاں ڈھیر سارے کام ہوتے ہیں، وہیں ایک اہم کام "اللہ کی عبادت" بھی ہے۔ مگر بہت کم لوگ "اللہ کی عبادت" کے لئے وقت نکالتے ہیں۔ اکثر لوگ اِس اہم کام کو نظر انداز کئے رہتے ہیں اور دوسرے تیسرے کاموں میں دن رات مصروف رہتے ہیں۔ کیا اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اُن لوگوں کے پاس "اللہ کی عبادت" سے بھی زیادہ اہم اہم کام موجود ہیں اور اُن کاموں کے مقابلے میں "اللہ کی عبادت" کی وہ اہمیت نہیں جسے وہ پہلے یا بعد میں انجام دینے کی فکر کریں۔ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی عبادت چھوڑے بیٹھے ہیں، اُنھیں اُس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔ شاید یہ سمجھا جاتا ہے کہ عبادت چھوڑ کر اپنی مصروفیتوں میں لگے رہنے سے دنیا میں ترقی ہوگی اور زندگی بڑے آرام سے گذرے گی۔ اگر ایسا ہے تو پھر اِس حدیثِ قدسی کو ضرور پڑھ لینا چاہئے جس میں رسول اللہ ﷺ بیان فرماتے ہیں:

"تمھارا رب فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! میری عبادت کے لئے دوسرے کام سے خالی ہو جاؤ، میں تمھارے دل کو بے نیازی سے اور تمھارے ہاتھ کو روزی سے بھر دوں گا۔ اے ابنِ آدم! (میری عبادت چھوڑ کر) مجھ سے دور مت بھاگو ورنہ میں تمھارے دل کو محتاجی سے بھر دوں دوں گا"۔ [المستدرک: ۳۶۲/۴]

ایک دوسری حدیث بھی اِسی طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اے ابنِ آدم! میری عبادت کے لئے دوسرے کام سے خالی ہو جاؤ، میں تمھارے سینے کو بے نیازی سے بھر دوں گا اور تمھاری محتاجی کو روک دوں گا ورنہ میں تمھارے سینے کو دوسرے تیسرے کاموں کی فکر سے بھر دوں گا اور تمھاری محتاجی کو نہیں روکوں گا"۔ [ترمذی: ۲۴۶۶، ابن ماجہ: ۱۳۷۶/۲، مسند احمد: ۳۷۱/۲]

اللہ کی امانت

اللہ کا دیا جو کچھ ہے وہ ایک امانت ہے جسے سنبھال کر رکھنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''قیامت کے دن جب تک پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ نہ لیا جائے گا تب تک آدمی دو قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پوچھا جائے گا کہ: کس چیز میں عمر گزاری؟ کس چیز میں اپنی جوانی گنوائی؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟''۔ [مشکوٰۃ: ۱۴۳۵/۳]

انسان لمبی عمر کی خواہش رکھتا ہے، مگر نہیں سوچتا کہ اُس کی عمر نیکی میں گذر رہی ہے یا بدی میں۔ ''ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ! کون سا انسان بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو۔ پھر اُس نے پوچھا کہ کون سا انسان برا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی عمر لمبی ہو اور عمل برا ہو''۔ [ترمذی: ۵۶۶/۴] لمبی عمر کی خواہش رکھنے والے اگر اپنی عمر برائیوں میں گذار رہے ہیں تو گویا وہ اللہ کی امانت میں خیانت کر رہے ہیں۔

جوانی شہوتوں اور خواہشوں کا ایک خطرناک راستہ ہے جس سے گذر کر آدمی جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''جہنم شہوتوں سے بھر گئی اور جنت ناپسندیدگیوں سے''۔ [مسلم: ۲۱۳۴/۴] یعنی شہوت آدمی کو جہنم میں لے جاتی ہے اور ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا جنت میں پہنچاتا ہے۔ جس نے جوانی کو شہوتوں اور خواہشوں کے راستے سے جہنم میں پہنچایا؛ اُس نے ایک قیمتی امانت کو ضائع کیا۔

مال تو اِس امت کا بڑا ہی بھیانک فتنہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ''بے شک ہر امت کا ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے''۔ [ترمذی: ۵۶۹/۴] آدمی چاہے کتنی ہی دولت کما لے اُس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ حدیث میں ہے: ''اگر آدمی کے پاس مال کی دو وادیاں ہو تو اُسے تیسری کی تلاش ہوگی، آدمی کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ توبہ قبول کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے''۔ [مسلم: ۷۲۵/۲، ترمذی: ۵۶۹/۴] حلال کمانا ہے اور حلال میں خرچ کرنا ہے پھر خدا کو سب کا حساب دینا ہے۔ اگر حساب میں داغ نکل آیا تو وہ اللہ کی امانت کو ضائع کرنے والا ہے۔

علم دین کی یقیناً بڑی فضیلت ہے، یہاں تک کہ عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہی ہے جیسی کہ چودھویں کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔ [مشکوٰۃ: ۷۴/۱] اس کے باوجود اگر عمل نہیں تو ''عالم'' روئے زمین کا سب سے برا آدمی ہے۔ جس کسی نے بھی اللہ کی امانت میں خیانت کر کے اُسے ضائع کر دیا، اُسے قیامت کے دن حساب چکانا پڑے گا۔

بے دیکھے ایمان

آج ہر عقل والا یہ کہتا نظر آتا ہے کہ ہم بے دیکھے کسی چیز کو کیسے مان لیں؟ یہ بات ہے تو بڑی معقول مگر سو فیصد درست نہیں، اگرچہ ہم تجربہ کے بعد ہی کچھ ماننے کے عادی ہیں، پھر بھی بہت ساری چیزوں کو نہ ہم نے دیکھا اور نہ سنا لیکن آنکھ بند کر کے مانتے چلے جاتے ہیں اور اُن کے وجود پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ کتنے لوگوں نے زمین کو گھومتے ہوئے دیکھا ہے؟ مگر مانتے اِس طرح ہیں جیسے خلا میں جا کر دیکھ آئے ہوں۔ شیطان سے کس کس کی ملاقات ہے مگر یقین اتنا جیسے روز کا آمنا سامنا ہو۔ امریکہ ایک ملک ہے؛ کون نہیں مانتا؟ لیکن کتنے ہندوستانی وہاں جا کر دیکھ آئے ہیں؟

بڑے سے بڑا معقولی بھی اِن سب باتوں کو مانتا اور یقین رکھتا ہے، حالانکہ اُسے ذاتی تجربہ کچھ نہیں۔ لیکن جب اسلام کہتا ہے کہ...... اللہ کی ایک مخلوق ہے جو نہ مرد ہے نہ عورت، نہ کھاتی پیتی ہے اور نہ سوتی جاگتی، جس کا نام ہے ''فرشتہ''۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہوگی۔ ایک ہے جنت اور ایک جہنم، دنیا میں نیکی کرنے والے مرنے کے بعد جنت میں جائیں گے اور برائی کرنے والے جہنم میں...... تو لوگ بول پڑتے ہیں کہ ہم نے اِن چیزوں کو نہ تو دیکھا ہے اور نہ اس سلسلہ میں ہمارا کوئی تجربہ ہی ہے تو پھر مان کیسے لیں؟ دیکھنا یہ ہے کہ ہم جن چیزوں کو ذاتی تجربہ کے بغیر، بے دیکھے ہی مان لیتے ہیں؛ اُس کا سبب کیا ہوتا ہے؟

اصل میں جب ہم کسی بھروسہ منداور سچے آدمی سے یا کسی معتبر ذریعے سے یا اچھی خاصی بھیڑ سے کچھ معلوم کرتے ہیں تو ہمیں یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔ لٰہذا مرنے کے بعد دوسری زندگی، جنت اور جہنم وغیرہ کے وجود کو بھی ماننا پڑے گا، کیونکہ یہ معلومات ہمیں ایک ایسے انسان سے حاصل ہوئی ہیں جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ بھروسہ منداور سچا انسان تھا جسے اُس کے دشمن بھی امین (امانت دار) اور صادق (سچا) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اُنھیں اعتراف تھا کہ اُس انسان کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں پایا۔ وہ عظیم انسان، اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اور آپ کو بھی یہ باتیں انتہائی معتبر ذریعے سے معلوم ہوئی تھیں۔ وہ معتبر ذریعہ اللہ کا کلام تھا۔ خود اللہ نے براہ راست آپ کو بتا بھی دیا تھا۔ اللہ کا وہ کلام ''قرآن'' کی شکل میں، معتبر ذریعہ کی حیثیت سے آج بھی ہمارے سامنے ہے، تو پھر نہ ماننے کا کیا مطلب؟

بہتر بولو یا چپ رہو

زندگی کا یہ فلسفہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ بہتر بولو یا چپ رہو۔ بے مقصد اور غیر ضروری موضوع پر گھنٹوں بے تکان بولتے رہنا کوئی خوبی کی بات نہیں۔ اصل کمال، بہتر بولنا ہے۔ اگر بہتر بولنے کی گنجائش نہ ہو تو پھر چپ رہنا کسی مجاہدے سے کم نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بہت پہلے ہی اِس فلسفے کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے: ''جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ بہتر بولے یا چپ رہے''۔[مسلم:۱/۶۸، کتاب الصّمت:۶۴]

انسان بہت آزادی پسند ہے۔ وہ ''چپ'' کی قید برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی زبان کی تیزی سے سب کو مات دے دینے کا حوصلہ رکھتا ہے۔ اِسی لئے وہ جھوٹ بھی بولتا ہے، چغلی بھی کھاتا ہے، غیبت بھی کرتا ہے، گالی گلوج سے بھی کام لیتا ہے، پھوہڑ باتیں بھی کرتا ہے اور لوگوں میں پھوٹ بھی ڈالتا ہے، غرضیکہ ہر قسم کا فتنہ جگاتا ہے۔ آخر کار وہ اپنی زبان کو بے لگام کر کے اپنی شخصیت کو داغدار بنا لیتا ہے، لوگ اُس پر اعتماد کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اُسے اپنی نظروں سے گرا بھی دیتے ہیں۔

بہتر بولنا انسان کو بہت سی الجھنوں اور مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے، کیونکہ ''بہتر بولی'' ایک صدقہ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اچھی بولی ایک صدقہ ہے''۔[مسلم:۲/۶۹۹]

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس تبلیغ کے لئے بھیجا تھا تو اُنھیں کہہ دیا تھا کہ:

﴿تم دونوں اُس سے نرم بات کرنا، امید کہ وہ نصیحت مانے یا ڈر رے۔﴾[طٰہٰ:۴۴]

نرم بات اور بہتر بولی جسے نہیں آتی وہ تبلیغ کرنے کا اہل بھی نہیں۔ اِسی لئے قرآن کہتا ہے: ﴿اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ۔﴾[نحل:۱۲۵]

جو بہتر بولی نہیں بول سکتا، اُسے چاہئے کہ چپ رہے، ورنہ بے شمار اذیتوں اور رسوائیوں کا شکار ہوگا۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنی زبان پکڑ کر کہہ رہے ہیں: اِس نے مجھے (قیامت کی) پوچھ تاچھ کی جگہ میں دھکیل دیا۔[کتاب الزھد:۱۳۶]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے:

''جو چپ رہا، نجات پایا''۔[ترمذی:۴/۵۶۹، مسند احمد:۲/۳۷۰، کتاب الصّمت:۴۹]

ہمدردیوں کی اصل قیمت

جیسے جیسے زمانہ گذرتا جا رہا ہے؛ مادّیت غالب ہوتی جا رہی ہے۔ لوگوں کے پاس دنیا جہان کی آسائشیں اکٹھا کرنے کے لمبے چوڑے منصوبے ہیں۔ وہ اپنے اُن منصوبوں کو پورا کرنے میں رات دن ایک کئے رہتے ہیں۔ اُنھیں اپنے آس پاس والوں کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی نہ تو فرصت رہتی ہے اور نہ کوئی ضرورت۔ اُنھیں نہیں پتہ کہ اُن کے پڑوس میں کوئی بیمار، مصیبت کے دن کاٹ رہا ہے۔ کوئی بھوکا اور پیاسا، کھانے پینے کو ترس رہا ہے۔ جو لوگ اِن باتوں کو اہمیت نہیں دیتے، چاہے مصروفیت کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے؛ اُنھیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پکڑے گا اور بڑی پوچھ تاچھ کرے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا: اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تھا، مگر تو نے میری تیمارداری نہیں کی۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تیری تیمارداری کیسے کرتا، تو تو رب العٰلمین ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے پتہ نہیں، میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا، مگر تو نے اُس کی تیمارداری نہیں کی۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ اگر تو اس کی تیمارداری کرتا تو ضرور تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، مگر تو نے مجھے کھلایا نہیں۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا! تو تو رب العٰلمین ہے؟ اللہ فرمائے گا: کیا تجھے پتہ نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے اُسے کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تجھے پتہ نہیں کہ اگر تو اُسے کھانا کھلاتا تو ضرور مجھے اُس کے پاس پاتا۔

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو رب العٰلمین ہے؟ اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے اُسے پانی نہیں پلایا۔ اگر تو اُسے پانی پلاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔ [مسلم: ۲۱۸/۴]

چاہے وہ بھوکا پیاسا اور بیمار؛ اپنا پڑوسی ہو، عزیز رشتہ دار یا ایک عام اجنبی۔ اگر اُن تک پہنچنا ممکن تھا اور ہم نے بے توجہی یا غفلت برتی تو ہم ضرور اللہ کی گرفت میں آجائیں گے۔ اِس لئے ہمیں باہر کی دنیا سے ہمیشہ باخبر رہنا ہوگا اور ہر ممکن صورت میں ہمدردی کا برتاؤ کرنا ہوگا، کیونکہ اُس کی اصل قیمت، اللہ کی خوشی ہے۔

روزے کی حقیقت

روزے کی حقیقت تقوٰی ہے۔اللہ تعالٰی نے رمضان کے روزے اِسی لئے فرض کئے تا کہ لوگ متقی، پرہیزگار بن جائیں۔چنانچہ خود اُس کا ارشاد ہے:﴿اے ایمان والو!تم لوگوں پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے اگلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔اِس امید پر کہ تم سب تقوٰی والے بنو۔﴾[بقرہ:۱۸۳]

روزہ صرف امت محمدیہ پر فرض نہیں ہوا بلکہ اگلی امتوں پر بھی فرض تھا۔یہ اور بات ہے کہ اُن کے روزہ رکھنے کی دن تاریخ ہم سے مختلف تھی، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ روزے سے رہتے۔حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھتے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام دو یا دو سے زیادہ دنوں کے ناغہ سے روزہ رکھا کرتے تھے۔[حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۵۴]

بھوک پیاس کی حالت میں مہربان خدا کی یاد زیادہ آنے لگتی ہے۔پھر اُسی سے دل میں تقوٰی کی روشنی پھوٹ پڑتی ہے۔جو روزہ دار اُس روشنی کو حاصل کرنے کے لئے روزہ رکھتا ہے، وہ صحیح معنوں میں روزہ دار ہے اور اُس کا روزہ حقیقی روزہ ہے اور جس روزہ دار کی توجہ اللہ کی طرف نہیں اور پورا مہینہ گذر جانے کے بعد بھی سینے میں تقوٰی کی ایک کرن پیدا نہیں ہوتی تو اُسے اپنے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔اُس نے بلاوجہ کھانا پینا چھوڑ کر اپنی جان گھلائی اِسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹا کام کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ کو اِس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے"۔[بخاری:کتاب الصوم/باب من لم یدع قول الزور(۱۹۰۳)]

روزے کا مقصد کھانا پینا چھوڑنا اور بھوکا پیاسا رہنا نہیں، بلکہ اس کا مقصد ہر اُس کام سے باز آجانا ہے جو تقوٰی کے خلاف ہو۔یہ روزہ نہیں کہ آدمی کھانا پینا تو چھوڑ دے مگر جھوٹ، گالی گلوج اور لڑائی جھگڑے وغیرہ گناہ کے کام کرتا رہے۔رسول اللہ ﷺ نے اِس سے منع فرمایا ہے کہ:"جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو نہ وہ بدزبانی کرے، نہ لڑے جھگڑے اور نہ چیخے چلائے۔اگر اُسے کوئی گالی بکے یا جنگ کرے تو کہہ دینا چاہئے کہ میں روزہ سے ہوں"۔[بخاری:کتاب الصوم/باب من لم یدع قول الزور(۱۹۰۴) مسلم:کتاب الصیام/باب الصائم یدعٰی لطعام(۱۱۵۰)]جس کا روزہ اِس شان کا ہے اُسے خوشخبری ہو کہ:"جس نے (روزے کی فضیلت پر)یقین رکھتے ہوئے نیک نیتی کے ساتھ(اللہ کی رضا اور ثواب کی امید سے)روزہ رکھا، اُس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔[بخاری:کتاب الصوم/باب من صام رمضان(۱۹۰۱)مسلم:کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرھا/باب الترغیب فی قیام رمضان(۷۶۰)]

زکوٰۃ

تقریباً تمام مذاہب میں صدقہ وخیرات کا رواج ہے لیکن کسی مذہب میں اُسے قانونی حیثیت حاصل نہیں۔ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ یہاں 'زکوٰۃ' کی صورت میں صدقہ وخیرات فرض ہے۔ جو شخص اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اُسے قرآن کی یہ وعید کافی ہے:

﴿اور جو لوگ سونے اور چاندی کا ڈھیر اکٹھا کرتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ جس دن جہنم کی آگ میں اُسے پگھلایا جائے گا اور اُس کے ذریعے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ وہ ہے جسے تم لوگوں نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا، تو اپنے جمع کئے ہوئے خزانے کا مزہ چکھو۔﴾ [توبہ:۳۴-۳۵]

زکوٰۃ کی بڑی ہی اہمیت ہے۔ نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں۔ وہ بھی اہم عبادت ہے اور یہ بھی۔ قرآن میں جگہ جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم آیا ہے۔ حدیثوں میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی زکوٰۃ کا ایک روپیہ بھی دینے سے انکار کر دے تو وہ کافر و مرتد ہے، اُس کے خلاف جنگ ہوگی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو اُنہوں نے انکار کرنے والوں سے جنگ کی ٹھان لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: آپ اُن لوگوں سے جنگ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم ملا ہے، یہاں تک کہ وہ 'لا الٰہ الا اللہ' کہہ لیں۔ جس نے 'لا الٰہ الا اللہ' کہہ لیا اُس نے مجھ سے جان اور مال کا حق چھوڑ کر اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا۔ اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے''۔؟ حضرت عمر کی دلیل سن کر حضرت ابوبکر نے کہا: اللہ کی قسم! میں اُن لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا ہے۔ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھ سے اونٹ کی نکیل بھی روکیں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو اُس کے روکنے پر اُن سے جنگ کروں گا۔ یعنی جو 'لا الٰہ الا اللہ' پڑھنے والا مال کا حق زکوٰۃ کی صورت میں ادا کرتا رہے گا تبھی اُس کا مال محفوظ رہے گا ورنہ خلیفۂ اسلام زبردستی اُس سے زکوٰۃ کا مال حاصل کرے گا، چاہے اس کے لئے اُسے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ حضرت ابوبکر کا جواب سن کر حضرت عمر نے کہا تھا: اللہ کی قسم! میں نے دیکھ ہی لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا سینہ جہاد کے لئے کھول دیا ہے۔ تب میں نے پہچان لیا کہ بے شک وہ حق پر ہیں۔ [مسلم: کتاب الایمان/ باب الامر بقتال الناس (۹۲۰)]

حضرت سواد بن قارب کا مسلمان ہونا

حضرت سواد بن قارب ایک کاہن تھے۔کسی ''جن'' سے اُن کا تال میل تھا۔ایک دفعہ جب وہ ہندوستان آئے ہوئے تھے تو ایک رات خواب میں وہی ''جن'' اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا:

اٹھو! سمجھو! عقل ہو تو عقل سے کام لو! لوَی بن غالب خاندان کا رسول ظاہر ہو گیا۔

پھر وہ کچھ اشعار گنگنانے لگا۔پھر اس نے سواد بن قارب کو جگا دیا تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔جن نے کہا:

اے سواد بن قارب! اللہ تعالیٰ نے اُس نبی کو ظاہر کر دیا ہے۔اُس کے پاس چل چلو! ہدایت اور رہنمائی پاؤ گے۔

دوسری رات پھر اُس نے آ کر اُنھیں جگایا اور ویسے ہی اشعار گنگنانے لگا۔تیسری رات پھر اُس نے آ کر جگا دیا اور ویسے ہی اشعار گنگنانے لگا۔تب اُنھوں نے اپنی سواری سنبھالی اور وہاں سے چل پڑے۔جلدی میں نہ اونٹ کا تسمہ کھولا اور نہ کوئی گرہ لگائی اور سیدھے مدینے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔لوگ آپ کے اوپر جھکے ہوئے اِس طرح اکٹھا تھے جیسے گھوڑے کی گردن کے بال گردن پر جھکے ہوتے ہیں۔نبی ﷺ نے اُنہیں دیکھتے ہی کہا:

خوش آمدید اے سواد بن قارب! تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہمیں پتہ ہے۔

اُنھوں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! میں نے کچھ اشعار کہے ہیں۔آپ سماعت فرمالیں۔

سواد بن قارب نے پڑھنا شروع کیا،جس کا مفہوم تھا:

خواب میں میرے پاس ''جن'' آیا۔تین راتوں تک میں نے جو کچھ سنا وہ جھوٹ نہ تھا۔

وہ ہر رات مجھ سے کہتا:لوَی بن غالب خاندان کا رسول تیرے پاس آ گیا۔

میں نے اپنی اِزار سمیٹی۔مضبوط اونٹنی پر سوار ہو کر لمبے چوڑے میدان میں نکل پڑا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔
بے شک آپ ہر غائب کے سلسلے میں معتبر آدمی ہیں۔
اے پاک، عزت دار خاندان کے بیٹے ! آپ اللہ کی بارگاہ
میں تمام رسولوں سے زیادہ شفاعت کرنے کے حقدار ہیں۔
اے روئے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر ! آپ
کے پاس جو کچھ آتا ہے اس کا ہمیں حکم کیجئے !
اور آپ ہمارے لئے اُس دن سفارشی بنیں جس دن آپ
کے سوا کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا جو سواد بن قارب کو بے نیاز
کردے !

اَشعار سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے ڈاڑھ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ آپ نے سواد بن قارب کو کہا کہ تم کامیاب ہو گئے۔ [دلائل النبوۃ:۲/۲۵۰-۲۵۱]

کاہن ہونے کی وجہ سے سواد بن قارب کے پاس اُن کا ''جن'' مختلف قسموں کی خبریں لایا کرتا تھا اور وہ بحیثیت کاہن اُس کی باتوں کو مانا بھی کرتے تھے لیکن جب اُسی ''جن'' نے محمد ﷺ کے نبی ہونے کی خبر دی تو وہ پس و پیش میں پڑ گئے، لیکن مسلسل تین راتوں تک ''جن'' اُنھیں ابھارتا رہا اور احساس دلاتا رہا۔ چونکہ سواد بن قارب شاعر تھے، اِس لئے ''جن'' اُن کے ذوق کے مطابق شعر پڑھ پڑھ کر اُنھیں جذبہ دلاتا رہا اور اِس بات پر آمادہ کرتا رہا کہ وہ مکے جاکر اُس نبی سے ہدایت حاصل کریں جو بنو ہاشم قبیلے کا ایک منتخب شخص ہے۔ جِن کی پُر جوش باتوں کو سن کر وہ شک کے دائرے سے نکل کر یقین کی منزل پر آ گئے۔ بس ایک توفیق کی بات تھی کہ ہندوستان سے مدینے آتے آتے وہ پوری طرح مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے تئیں اتنے جذباتی ہو گئے تھے کہ آپ کی شان میں ایک نعت کہہ ڈالی۔ جس میں اُنھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار و اعتراف بھی کیا تھا۔